باب 7
دورِ حاضر میں سلامتی اور تحفظ

5272CH07

اجمالی نظر

جب ہم دنیا کی سیاست کے بارے میں مطالعہ کرتے ہیں تو 'سلامتی یا قومی سلامتی' جیسے الفاظ اکثر ہماری نظر سے گزرتے ہیں۔ ہم ان اصطلاحات کا مطلب کیا سمجھتے ہیں؟ عام طور سے یہ کسی مباحثہ اور مذاکرہ کو روکنے کے لیے استعمال ہوتی ہیں۔ ہم اکثر یہ سنتے ہیں کہ فلاں مسئلہ سلامتی کا مسئلہ ہے جو ملک کی بہتری کے لیے بہت اہم ہے۔ مفہوم یہ ہے کہ یہ اتنا اہم اور خفیہ معاملہ ہے کہ اس پر برسرِ عام بحث یا گفتگو نہیں کی جاسکتی۔ ہم فلموں میں دیکھتے ہیں کہ 'قومی سلامتی' سے متعلق ہر چیز بہت خفیہ اور خطرناک ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ سلامتی کے مسئلہ سے ایک عام شہری کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ لیکن ایک جمہوری نظام میں یہ ناممکن ہے۔ ایک جمہوریت کے شہری ہونے کے ناطے ہمیں 'سلامتی' کی اصطلاح کے بارے میں مزید علم ہونا چاہیے۔ یہ دراصل کیا ہے؟ اور ہندوستان کی سلامتی کی تشویشیں کیا ہیں؟ اس باب میں ان ہی سوالات سے بحث کی گئی ہے۔ اور سلامتی کے مسئلے کو دو مختلف طریقوں سے دیکھنے کے لئے پیش کیا گیا ہے اور یہ سلامتی کے بارے میں کوئی نقطۂ نظر بنانے میں مختلف حالات کی اہمیت کے پس منظر کو اجاگر کرتا ہے۔

1994 میں UNDP کی ''انسانی ترقی کی رپورٹ'' میں انسانی سلامتی کے بارے میں خدشات ظاہر کیے گئے تھے۔ رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ ''ایک طویل مدت سے سلامتی کے تصور کی غلط ترجمانی کی جارہی ہے۔ اس کو عوام کا مسئلہ بنانے کے بجائے قومی ریاستوں کا مسئلہ بنا کر پیش کیا جاتا ہے۔ عام لوگوں کے ان جائز اندیشوں اور خدشات کو بھلا دیا گیا تھا جنھیں اپنی روزمرہ کی زندگی میں بھی تحفظ کی ضرورت پڑتی ہے'' اوپر کی تصویروں میں سلامتی کو درپیش مختلف قسم کے خطرات کی نشاندہی کی گئی ہے۔

میری سلامتی کا فیصلہ کون کرتا ہے؟ کچھ لیڈر اور ماہرین؟ کیا میں یہ فیصلہ خود نہیں کرسکتی کہ میری سلامتی کس میں ہے؟

'سلامتی' کیا

بنیادی طور سے سلامتی کا مطلب ہے خطرات سے آزادی۔ کسی ملک کی زندگی اور انسانی وجود دونوں ہی خطرات سے گھری ہوئی ہیں۔ کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر خطرہ، سلامتی کے لیے خطرہ ہے۔ جب بھی کوئی انسان اپنے گھر سے باہر قدم نکالتا ہے تو اس کی زندگی اور طرز زندگی کو کسی نہ کسی درجے کا خطرہ ضرور لاحق ہوتا ہے۔ اگر ہم خطروں کے اندیشے کو اتنا وسیع کر دیں تو ہماری زندگی صرف خطرے کے مسئلوں ہی میں ڈوب کر رہ جائے گی۔

لہٰذا سلامتی کا مطالعہ کرنے والے جو لوگ عام طور پر یہ کہتے ہیں کہ وہ چیزیں جو بنیادی قدروں کے لیے خطرہ ہیں سلامتی کے بحث و مباحثہ میں دلچسپی کا باعث ہوسکتی ہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کس کی بنیادی قدریں؟

امن کا پالنا

کیا آپ نے فوج برائے قیام امن (Peacekeeping force) کا نام سنا ہے؟ کیا آپ کے خیال میں یہ دوغلی اصطلاح ہے؟

کیا کسی پورے ملک کی بنیادی قدریں؟ یا سڑک پر چلتے ہوئے ایک عام مرد اور عورت کی بنیادی قدریں؟ اور کیا حکومتیں جو عام آدمی کی نمائندگی کرتی ہیں، بنیادی قدروں کے بارے میں وہی رائے رکھتی ہیں جو کہ عام شہری رکھتا ہے۔

اس کے علاوہ جب ہم بنیادی قدروں پر خطرے کی بات کرتے ہیں تو وہ خطرہ کتنا بڑا یا بھاری ہونا چاہیے۔ یقیناً ہر وہ قدر جو ہمیں عزیز ہے کسی نہ کسی بڑے یا چھوٹے خطرے سے دوچار ہے۔ کیا ان سارے خطروں کو سلامتی کے لیے خطرہ سمجھنا چاہیے۔ جب بھی ایک ملک کوئی کام کرتا ہے یا کام کرنے میں ناکام ہوتا ہے تو اس سے ایک دوسرے ملک کی ''بنیادی قدروں'' کو ٹھیس پہنچ سکتی ہے۔ جب بھی کوئی شخص گلیوں میں لوٹا جاتا ہے تو ایک عام آدمی کی روزانہ کی زندگی کی سلامتی کو نقصان پہنچتا ہے۔ ان سب حقائق کے باوجود اگر ہم نے سلامتی کا اتنا وسیع تصور کیا تو ہم بے دست و پا ہوکر رہ جائیں گے کیونکہ جدھر دیکھیے یہ دنیا خطروں سے بھری ہوئی ہے۔

بہرحال ہم ایک نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ سلامتی کا تعلق بہت بڑے اور بھاری خطروں سے ہے۔ ایسے خطرے جن کی گرفت اگر وقت پر نہیں کی گئی تو وہ ہماری بنیادی قدروں کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا سکتے ہیں۔

اتنا سب کچھ کہنے کے بعد یہ بھی صحیح ہے کہ 'سلامتی' ابھی تک ایک ناقابل گرفت تصور ہے۔ مثال کے طور پر کیا سماج میں ہمیشہ سے سلامتی کا یہی تصور رہا ہے؟ اگر ایسا ہے تو یہ عجیب وغریب بات ہوگی کیونکہ دنیا میں زیادہ تر چیزیں بدلتی رہتی ہیں۔ اس کے علاوہ کیا کسی بھی ایک زمانہ میں دنیا کے تمام سماجوں کا سلامتی کا ایک ہی تصور

© NCERT not to be republished

تھا؟ اور یہ بھی عجیب وغریب بات ہوگی اگر 200 ملکوں میں رہنے والے چھ سو پچاس کروڑ لوگ سلامتی کا ایک ہی تصور رکھتے ہوں۔ تو سب سے پہلے ہم سلامتی کے متعلق مختلف تصورات اور نظریات کو دو حصوں میں تقسیم کر لیتے ہیں۔ اوّل روایتی اور دوسرے غیر روایتی تصورات۔

روایتی تصوّرات: خارجی

جب بھی ہم سلامتی کے متعلق پڑھتے اور سنتے ہیں تو اکثر اوقات اس سے ہمارا مطلب سلامتی کے روایتی تصور سے ہوتا ہے یعنی سلامتی کا تصور۔ سلامتی کے روایتی تصور میں کسی بھی ملک کو سب سے بڑا خطرہ فوج سے ہوتا ہے۔ اور اس خطرے کا اصل سرچشمہ کوئی دوسرا ملک ہوتا ہے جو اپنے فوجی اقدام کی دھمکیوں سے ایک ملک کے اقتدار اعلا، خود مختاری اور حدود ارضی کے استحکام کی بنیادی قدروں کو خطرے میں ڈال دیتا ہے۔ فوجی اقدام میں شہریوں کی جان کو بھی خطرہ رہتا ہے۔ یہ ناممکن ہے کہ کسی بھی جنگ میں صرف فوجی ہی زخمی ہوں گے یا مریں گے۔ اکثر یہ بھی ہوا ہے کہ عام عورتیں اور مرد جنگ کا نشانہ بنے ہیں تاکہ جنگ کے لیے ان کی حمایت کو ختم کیا جا سکے۔

جنگ کے اندیشے کی صورت حال سے نمٹنے کے لیے کسی بھی حکومت کے پاس تین راستے ہوتے ہیں۔ اوّل تو یہ کہ وہ ہتھیار ڈال دے۔ یا پھر دوسرے ملک کو حملے سے روکنے کے لیے جنگ کے نقصانات یا اخراجات ایک ناقابل قبول سطح تک بلند کر دے۔ یا پھر اپنے دفاع میں جنگ چھڑ جانے پر ثابت قدم رہے تاکہ حملہ آور ملک اپنے مقاصد کے حصول میں ناکام رہے اور

جنگ کی معیشت
© Ares, Cagle Cartoons Inc.

واپس چلا جائے یا پھر یہ کہ حملہ آور طاقتوں کو مکمل شکست دی جائے۔ حکومتیں، جنگ کی صورت حال میں، شاید ہتھیار ڈالنے کو ترجیح دیں لیکن وہ اس کی تشہیر ملک کی پالیسی کی حیثیت سے نہیں کریں گی۔ لہٰذا سلامتی کی پالیسی کا تعلق دراصل جنگ کو ٹالنے سے ہے جس کو 'مزاحمت' کہا جاتا ہے اور جنگ کو محدود اور ختم کرنے سے ہے جس کو دفاع کہا جاتا ہے۔

سلامتی کی روایتی پالیسی میں ایک تیسرا عنصر بھی کام کرتا ہے جس کو 'طاقت کا توازن' کہتے ہیں۔ جب ملک اپنے گرد و پیش کا جائزہ لیتے ہیں تو وہ دیکھتے ہیں کہ کچھ دوسرے ممالک بڑے اور طاقت ور ہیں۔ یہ ایک اشارہ ہوسکتا ہے کہ مستقبل میں کون خطرہ بن سکتا ہے۔ مثال کے طور پر ایک پڑوسی ملک یہ نہیں کہے گا کہ وہ حملہ کی تیاری کر رہا ہے۔ اور بظاہر حملے کی کوئی وجہ بھی نہیں ہوگی۔ لیکن یہ حقیقت کہ یہ ملک بہت طاقت ور ہے اس جانب اشارہ کرتی ہے کہ مستقبل میں کسی بھی وقت وہ جارحیت پر اتر سکتا ہے۔ اسی لیے حکومتیں اپنے اور دوسرے ملکوں

جنگ کا مطلب تباہی، موت اور عدم استحکام ہے۔ آخر جنگ کس طرح سے کسی کو محفوظ رکھ سکتی ہے۔

© NCERT not to be republished

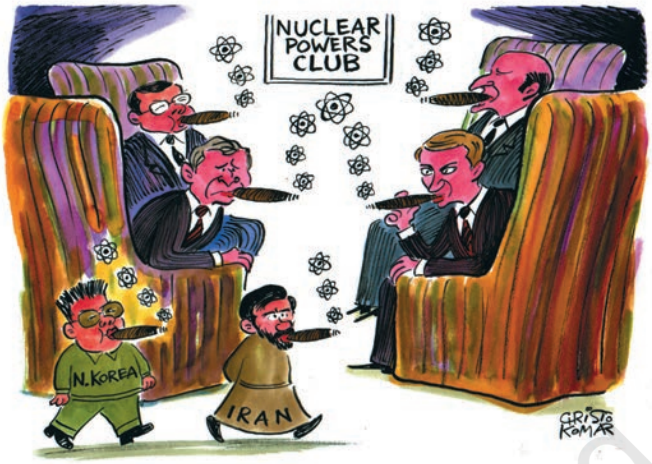

جب نئے ملک نیوکلیائی درجہ حاصل کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں تو بڑی طاقتوں کا کیا ردِّ عمل ہوتا ہے؟ ہم کس بنیاد پر یہ کہہ سکتے ہیں کہ نیوکلیائی صلاحیتوں والے کچھ ملکوں پر بھروسہ کیا جا سکتا ہے اور کچھ پر نہیں؟

کے درمیان طاقت کے توازن کے سوال پر کافی حساس ہیں۔ اور وہ ایک مناسب حال طاقت کے توازن کو قائم رکھنے کے لیے سخت محنت کرتی ہیں خصوصاً ان ممالک کے ساتھ جو ان کے پڑوس میں ہوں، یا وہ جن کے ساتھ ان کے اختلافات ہوں یا وہ جن سے ماضی میں تعلقات ناخوشگوار رہ چکے ہوں۔ طاقت کے توازن کو برقرار رکھنے کا بہترین طریقہ فوجی قوت میں اضافہ ہے اگرچہ ٹیکنالوجی اور معاشی قوت کو بھی فروغ دینا ضروری ہے کیونکہ آخر کار ’فوجی قوت‘ کی بنیاد ان ہی پر رکھی جاتی ہے۔

سلامتی کی روایتی پالیسی کا چوتھا عنصر اتحاد سازی ہے۔ اتحاد سے مراد کچھ ریاستوں کا ایسا مجموعہ ہے جو جنگ کی صورت حال میں مزاحمت اور دفاع کی کارروائیوں میں آپس میں ربط قائم رکھتے ہیں۔ زیادہ تر ’اتحاد‘ رسمی طور سے لکھے ہوئے ہوتے ہیں اور ان میں یہ وضاحت بھی موجود ہوتی ہے کہ اصل خطرہ کس کی طرف سے ہے۔ ریاستیں یا ملک یہ اتحاد اس لیے بناتے ہیں تاکہ دوسرے ملک کے مقابلے میں اپنی طاقت کو موثر بنا سکیں۔ ’اتحاد‘ قومی مفاد کے پس منظر میں بنائے جاتے ہیں اور قومی مفاد کے ساتھ ساتھ اتحاد بھی بدلتا رہتا ہے۔ مثال کے طور پر اسّی کی دہائی میں ریاست ہائے متحدہ امریکہ نے افغانستان میں سوویت یونین کے مقابلے میں اسلامی مجاہدین کی مدد کی تھی لیکن بعد میں ان ہی پر حملہ کیا جب القاعدہ، اسامہ بن لادن کی قیادت میں اسلامی جنگجوؤں نے ایک گروپ نے گیارہ ستمبر 2001 کو امریکہ کے خلاف دہشت گردانہ حملہ کیے۔

سلامتی کے روایتی تصور میں کسی بھی ملک کی سلامتی کو اکثر خطرے اس کی سرحدوں کے باہر سے ہوتے ہیں۔ شاید اس لیے کہ بین الاقوامی نظام بڑی حد تک ایسا بہیمانہ اکھاڑہ ہے جہاں کوئی مرکزی طاقت موجود نہیں ہوتی جو طرزِ عمل کو کنٹرول کر سکے۔ ملک کے اندر کے تشدد کو ایک منظور شدہ طاقت، یعنی حکومت قابو میں لا سکتی ہے۔ لیکن بین الاقوامی سیاست میں کوئی ایسی تسلیم شدہ طاقت نہیں ہے جو دوسروں سے بلند ہو۔ دل یہ قبول کرنے کے لیے اکساتا ہے کہ اقوام متحدہ ایک ایسی تنظیم ہے یا یہ کہ ایسی تنظیم بن سکتی ہے لیکن اپنی موجودہ ساخت کے اعتبار سے اپنے ممبروں ہی کی تخلیق ہے اور اس کے اختیار و وسائل اس کے ممبروں کی مرضی تک محدود ہیں۔ تو پھر عالمی سیاست میں ہر ملک اپنی سلامتی کا خود ذمے دار ہے۔

روایتی تصورات: اندرونی

اب تک آپ خود سے یہ سوال کر رہے ہوں گے کہ کیا سلامتی کا انحصار داخلی امن و امان اور نظم و نسق پر ہے؟ کوئی سماج اس وقت تک کیسے محفوظ رہ سکتا ہے اگر خود اس کی سرحدوں کے اندر تشدد یا تشدد کا خطرہ موجود ہو؟ اور

© NCERT not to be republished

اگر یہ اپنی سرحدوں کے اندر محفوظ نہیں ہے تو یہ بیرونی تشدد کا سامنا کس طرح کرسکتا ہے؟

لہٰذا روایتی سلامتی کو اندرونی سلامتی سے تعلق اور واسطہ رکھنا چاہیے۔ اندرونی سلامتی کو شاید اس لیے زیادہ اہمیت نہیں دی جاتی کیونکہ دوسری عالمی جنگ کے بعد دنیا کے طاقت ور ملکوں کی اندرونی سلامتی کم وبیش محفوظ تھی۔ ہم یہ پہلے کہہ چکے ہیں کہ واقعات کے تسلسل اور موقع ومحل کی مناسبت پر نظر رکھنا بہت اہم ہوتا ہے۔ تاریخی اعتبار سے اندرونی تحفظ حکومتوں کا کام رہا ہے لیکن دوسری عالمی جنگ کے بعد واقعات کے تسلسل اور صورت حال نے کچھ ایسا رخ بدلا کہ اندرونی سلامتی ماضی کی طرح اتنی اہم نہ رہی۔ 1945 کے بعد ریاست ہائے متحدہ امریکہ اور سوویت یونین بظاہر متحد تھے اور دونوں کی سرحدوں کے اندر امن وامان کے قیام کی امید کی جاسکتی تھی۔ یوروپ کے ممالک کو، خاص طور سے مغربی یوروپ کے طاقت ور ممالک کو، اپنی سرحدوں میں رہنے والے گروپ اور فرقوں سے کوئی خطرے نہیں تھا۔ لہٰذا ان تمام ممالک نے اپنی توجہ باہر سے آنے والے خطرہ کی جانب مبذول رکھی۔

لیکن وہ کون سے بیرونی خطرات تھے جن کا اندیشہ ان طاقت ور ملکوں کو تھا؟ ایک بار پھر ہم واقعاتی تسلسل اور موقع ومحل کی مناسبت کی طرف جاتے ہیں۔ ہم کو علم ہے کہ دوسری عالمی جنگ کے بعد کا زمانہ سرد جنگ کا زمانہ تھا جس میں امریکی قیادت کے تحت مغربی اتحاد کا سامنا سوویت قیادت کے تحت کمیونسٹ اتحاد سے تھا۔ دونوں ہی اتحاد، ایک دوسرے کے فوجی حملے سے خوف زدہ تھے۔ کچھ مغربی ممالک اپنے نوآبادیاتی ملکوں میں تشدد سے پریشان تھے جن کے باشندے آزادی کے خواہاں تھے۔ اس بارے میں ہم فرانس اور برطانیہ کی مثال لے سکتے ہیں جو بالترتیب پچاس کی دہائی میں ویت نام میں، اور پچاس اور ساٹھ کی دہائی میں کینیا میں مصروف پیکار تھے۔

چالیس کی دہائی کے آخری سالوں سے جوں جوں کالونیوں کو آزادی ملتی گئی ان کی سلامتی کے مسائل بھی یوروپین ملکوں کی طرح ہوگئے۔ ان میں سے کچھ ملک، یوروپی ملکوں کی طرح ہوگئے۔ ان میں سے کچھ ملک، یوروپی ملکوں کی دیکھا دیکھی، سرد جنگ کے کسی ایک گروپ کے ممبر ہوگئے۔ تو ان کی بھی پریشانی یہ ہوگئی کہ کہیں سرد جنگ اسلحے کی جنگ میں نہ بدل جائے اور پھر شاید ان کو اپنے پڑوسی کے خلاف جس نے کہ سرد جنگ کا دوسرا گروپ جوائن کر رکھا ہو، یا اتحادوں کے لیڈروں کے خلاف (ریاست ہائے متحدہ امریکہ اور سوویت یونین) یا پھر ریاست ہائے متحدہ امریکہ اور سوویت یونین کے کسی اور حلیف یا دوست کے ساتھ لڑائی نہ لڑنی پڑے۔ درحقیقت دونوں عظیم طاقتوں کے درمیان سرد جنگ دوسری عالمی جنگ کے بعد ہونے والی لڑائیوں میں، تقریباً ایک تہائی لڑائیوں کی ذمے دار تھی۔ ان میں سے زیادہ تر جنگیں تیسری دنیا میں لڑی گئی تھیں۔ جس طرح سے یوروپی طاقتیں اپنی کالونیز میں شورشوں سے ہراساں تھے، بالکل اسی طرح سے آزادی پانے کے بعد کالونیوں میں بھی یہی خوف پیدا ہوا کہ کہیں ان کے سابق یوروپی حکمراں ان پر حملہ نہ کردیں۔ لہٰذا یہ ضروری تھا کہ سامراجی جنگ کے خلاف دفاع میں وہ خود کو تیار کریں۔

نئے افریقی اور ایشیائی ممالک کو سلامتی وتحفظ کے جن چیلنج کا سامنا تھا وہ دو طریقوں سے ان چیلنجوں سے

آئیے کریں

ایک ہفتہ کے اخبارات کی ورق گردانی کیجیے اور ان بیرونی اور اندرونی تنازعات کی فہرست تیار کیجیے جو اس وقت دنیا میں موجود ہیں۔

© NCERT not to be republished

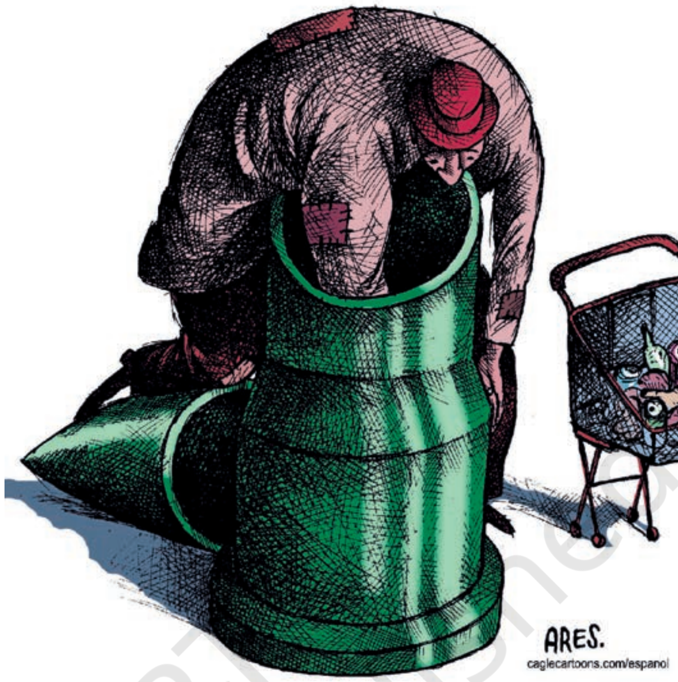

تیسری دنیا کے اسلحہ جات (C) Ares' کیگل کارٹون انکارپوریٹڈ

مختلف تھا جن کا سامنا یوروپی ممالک کو تھا۔ اوّل تو ان نئے آزاد شدہ ممالک کو اپنے پڑوسیوں سے فوجی تنازعہ میں ملوث ہونے کا خطرہ تھا۔ دوسرے ان کو اندرونی فوجی اختلافات اور جھگڑوں کا بھی اندیشہ تھا۔ ان ملکوں کو نہ صرف بیرونی خطرہ تھا خاص طور سے اپنے پڑوسیوں سے بلکہ اندر سے بھی غیر محفوظ تھے۔ اکثر نئے آزاد شدہ ملک ریاست ہائے متحدہ امریکہ، سوویت یونین، یا اپنے پرانے آقاؤں کے مقابلے میں اپنے پڑوسیوں سے زیادہ خائف تھے۔ وہ سرحدوں، خطۂ زمین، لوگوں پر کنٹرول اور آبادی کے اوپر ایک دوسرے سے جھگڑتے تھے۔ کبھی مسئلہ صرف ایک ہوتا، کبھی سارے مسائل پر ایک ساتھ جھگڑا ہوتا۔

اندرونی طور سے نئے ملکوں کو علاحدگی پسند تحریکوں کی جانب سے تشویش تھی جو کہ نئے خود مختار ملک بنانا چاہتی تھیں۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ بیرونی اور اندرونی خطرے دونوں یکجا ہو جاتے ہیں۔ ایک پڑوسی ملک اندرونی علاحدگی پسند تحریکوں کی مدد کر سکتا ہے یا ان کی حوصلہ افزائی کرتا ہے جس سے دونوں پڑوسی ملکوں کے درمیان کشیدگی بڑھ جاتی ہے۔ خانہ جنگی یا اندرونی لڑائیاں دنیا بھر میں کہیں بھی ہوئی ہوں تمام جنگوں کا 95 فی صد حصہ ہیں۔ 1946 اور 1991 کے درمیان خانہ جنگیوں کی تعداد میں بارہ گنا اضافہ ہوا ہے۔ یہ دو سو سال میں سب سے لمبی چھلانگ ہے۔ اس طرح نئے ممالک کے لیے خانہ جنگی اور پڑوسیوں سے بیرونی نوعیت کی جنگوں نے سلامتی کا ایک سنگین چیلنج کھڑا کر دیا۔

وہ لوگ جو اپنے ہی ملک کے خلاف لڑتے ہیں وہ یقیناً کسی نہ کسی چیز کے لیے بہت دُکھی ہوتے ہوں گے۔ شاید یہ ان کی بے اطمینانی ہے جو ملک کے لیے عدم تحفظ کا باعث بنتی ہے۔

روایتی سلامتی اور تعاون

سلامتی کے روایتی تصور میں یہ مانا جاتا ہے کہ شورش اور تشدد کو محدود کرنے میں باہمی تعاون ممکن ہے۔ یہ حدود جنگ کے مقاصد اور اس کے ذرائع دونوں سے متعلق ہیں۔ اور اب یہ ایک کائناتی حقیقت بن چکی ہے کہ ملکوں کو جنگ صرف معقول وجوہات پر کرنا چاہیے یعنی یا تو اپنے دفاع کے لیے یا دوسرے لوگوں کی نسل کشی کو روکنے کے لیے۔ جنگ کو اپنے ذرائع کے استعمال میں بھی محدود رہنا چاہیے۔ فوجی کو غیر جنگجوؤں کے قتل اور نقصان پہنچانے سے پرہیز کرنا چاہیے۔ بلکہ غیر مسلح جنگجو اور ہتھیار ڈالتے ہوئے جنگجوؤں پر بھی وار نہیں کرنا چاہیے۔ فوج کو غیر ضروری جارحیت کے مظاہرہ نہیں کرنا چاہیے۔

آخری بات یہ کہ طاقت کا صرف اسی وقت استعمال کرنا چاہیے جب مسئلے کے حل کی اور تمام کوششیں اور متبادل ناکام ہو جائیں۔

سلامتی کے روایتی تصور میں باہمی تعاون کی دوسری صورتوں کو بھی یکسر خارج نہیں کر دیا گیا ہے۔ ان

© NCERT not to be republished

صورتوں میں تین اہم ہیں۔ اوّل تو غیر مسلح ہونا، دوسرے تخفیف اسلحہ اور اعتماد کی بحالی۔ غیر مسلح ہونے کا مطلب ہے کہ تمام ریاستیں ہتھیاروں کی کچھ اقسام کو ختم کردیں، مثال کے طور پر 1972 میں منعقد ہونے والی بائی یولوجیکل ویپن کنونشن Biological Weapon Convention (BWC) اور 1992 کی کیمیکل ویپن کنونشن نے ان ہتھیاروں کا رکھنا اور بنانا ممنوع قرار دے دیا۔ 155 ریاستوں نے (BWC) کے خیال سے اتفاق کیا اور اس کی ممبر بنیں جب کہ 181 ملکوں نے (CWC) میں شمولیت اختیار کی۔ دونوں اجلاس میں تمام عظیم طاقتوں نے شرکت کی تھی۔ لیکن ریاست ہائے متحدہ امریکہ اور سوویت یونین عام تباہ کاری کے ہتھیاروں کو دوسرے الفاظ میں نیوکلیائی ہتھیاروں کو چھوڑنا نہیں چاہتے تھے تو انھوں نے تخفیف اسلحہ کو ترجیح دی۔

تخفیف اسلحہ دراصل اسلحہ کے حصول اور اس کے فروغ پر نظر رکھتا ہے۔ 1972 میں کی گئی Anti-ballistic Missile Treaty (ABM) نے ریاست ہائے متحدہ امریکہ اور سوویت یونین دونوں کو ایک نیوکلیائی حملے کی صورت میں بالسٹک میزائل کو ایک دفاعی ڈھال کی طرح استعمال کرنے سے روک دیا تھا۔

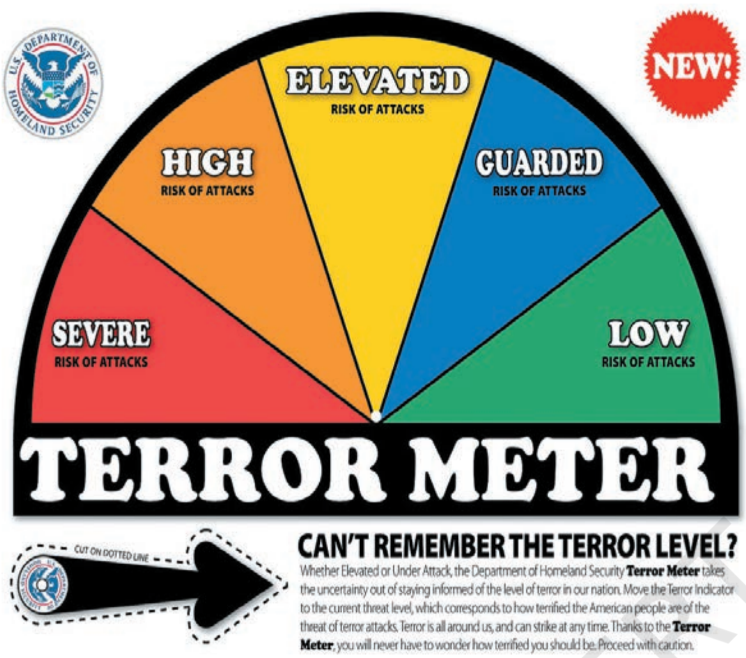

اس میں کہا گیا ہے: ''خواہ اوپر سے یا نیچے سے حملہ ہو رہا ہو، وطن کے تحفظ کا محکمہ ''دہشت کی پیمائش کا آلہ'' ہمارے ملک میں دہشت کی سطح کے بارے میں باخبر رہنے کی غیر یقینیت کو ختم کر دیتا ہے۔ دہشت دکھانے والی سوئی کو موجودہ خطرے کی سطح پر لے جائیے، جو اس کے مساوی ہے کہ امریکی لوگ دہشت گردانہ حملوں کے خطرے سے کتنے دہشت زدہ ہیں۔ دہشت گردی ہمارے چاروں طرف موجود ہے اور کسی وقت بھی مار کر سکتی ہے۔ دہشت کے آلے کا شکریہ کہ آپ کو کبھی یہ جاننے کی ضرورت نہ ہوگی کہ آپ کو کتنا خوف زدہ ہونا چاہیے۔ احتیاط کے ساتھ آگے بڑھیے۔

اگرچہ اس میثاق نے ان دونوں کو یہ دفاعی ہتھیار ایک محدود تعداد میں استعمال کرنے کی اجازت دی لیکن ان کو بڑی تعداد میں بنانے سے روک دیا۔

جیسا کہ ہم نے پہلے باب میں دیکھا تھا ریاست ہائے متحدہ امریکہ اور سوویت یونین نے تخفیف اسلحہ سے متعلق کئی اور معاہدوں پر بھی دستخط کیے ہیں، مثال کے طور پر Stratagic Arms Limitations Treaty II یعنی SALT II اور Stratagic Arms

کتنی عجیب بات ہے! پہلے تو وہ قیمتی اور تباہ کن ہتھیار بناتے ہیں۔ اس کے بعد پھر وہ پیچیدہ معاہدہ تیار کرتے ہیں تاکہ خود کو ان ہتھیاروں سے محفوظ رکھیں۔ اور پھر اس کو تحفظ کہتے ہیں!

© NCERT not to be republished

Reduction Treaty (START) نیوکلیائی وسعت کی پابندی پرمعاہدہ (Non-Proliferation Treaty, NPT) جو1968 میں وجود میں آیا، تخفیف اسلحہ کی جانب اہم قدم تھا اس لیے کہ اس نے نیوکلیائی ہتھیار کے حصول کے لیے کچھ ضوابط مقرر کیے۔ وہ ممالک جنھوں نے 1967 سے پہلے نیوکلیائی ہتھیار بنا لیے تھے وہ اسے رکھنے کے مجاز ٹھہرائے گئے۔ اور جو ممالک اس زمرے میں نہیں آتے تھے ان کو نیوکلیائی ہتھیار رکھنے کے حق سے ہاتھ دھونا پڑا۔ NPT نے نیوکلیائی ہتھیاروں کو ختم تو نہیں کیا، البتہ صرف ان ملکوں کی تعداد کو محدود کر دیا جنھیں ان کو رکھنے کی اجازت تھی۔

روایتی سلامتی تصور میں اعتماد کی نمو اور بحالی کو بھی تشدد کی راہ سے ہٹنے کا ایک ذریعہ سمجھا جاتا ہے۔ اعتماد کی نشوونما دراصل ایک ایسا طریقۂ کار ہے جس میں حریف ممالک ایک دوسرے سے نظریات و اطلاعات کا تبادلہ کرتے ہیں۔ یہ ایک دوسرے کو اپنے فوجی مقاصد اور

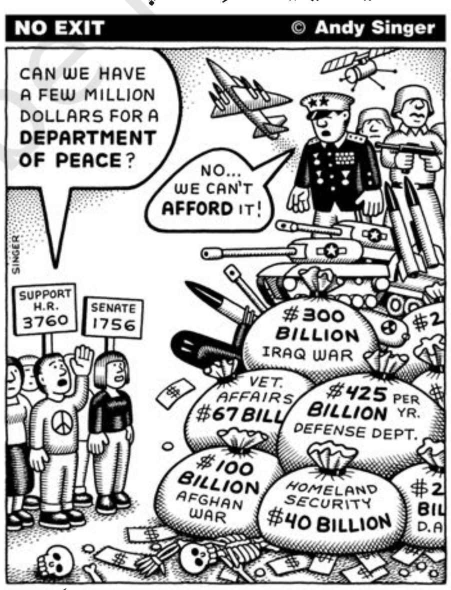

یہ کارٹون امریکا میں امن سے متعلق اقدامات میں پیسے کی کمی اور دفاع پر بے پناہ اخراجات پر تبصرہ کرتا ہے۔ کیا ہمارے ملک میں حالات اس سے مختلف ہیں؟

بہت حد تک اپنے فوجی پروگرام سے باخبر کرتے ہیں۔ یہ ایک طرح کی یقین دہانی ہے کہ وہ کوئی اچانک حملہ نہیں کرنے والے ہیں۔ وہ ایک دوسرے کو اپنی طاقت یا فوجی صلاحیتوں کے بارے میں بھی بتاتے ہیں اور ساتھ میں یہ اطلاع بھی دیتے ہیں کہ یہ فوجی صلاحتیں یا طاقتیں کہاں کہاں نصب ہیں۔ مختصراً یہ کہ اعتماد بحالی وہ عمل ہے جس کی پوری کوشش یہ ہوتی ہے کہ حریف ممالک کسی آپسی غلط فہمی کی وجہ سے ایک دوسرے سے جنگ نہ کرنے لگیں۔

غرض یہ کہ سلامتی کے روایتی تصورات دراصل فوجی طاقت کے استعمال یا اس کے استعمال کے اندیشوں اور دھمکیوں کے گرد گھومتے ہیں۔ اس سلامتی کے روایتی تصور میں فوجی طاقت سلامتی کے لیے سب سے بڑا خطرہ ہے اور ساتھ ہی ساتھ سلامتی کو برقرار رکھنے کا یہ سب سے بڑا ذریعہ بھی ہے۔

غیر روایتی تصورات

سلامتی کے غیر روایتی تصورات فوجی خطروں سے آگے بھی دیکھتے ہیں اور ان خطروں کو بھی شامل کرتے ہیں جن سے خود انسانی وجود کو خطرہ ہے۔ غیر روایتی تصورات بھی سلامتی کے متعلقات کے بارے میں سوال کرنے سے آغاز کرتے ہیں۔ ایسا کرنے میں وہ سلامتی کے بقیہ تین عناصر کے متعلق بھی پوچھتے ہیں۔ یعنی یہ کہ کس کی سلامتی درکار ہے؟ اور کون سے خطرات کا اندیشہ ہے؟ اور یہ کہ سلامتی کے اندیشوں کے بارے میں بات کرتے ہیں تو ہمارا مطلب ہوتا ہے کہ کس کا تحفظ اور کس کی سلامتی؟ سلامتی کے روایتی تصور میں ریاست، حکومت، خطۂ ارض اور حکومتی اداروں سے مراد ہوتی

اب ہم بات کر رہے ہیں۔ اور میں اس کو ایک حقیقی انسان کے لیے ایک حقیقی سلامتی کہتا ہوں۔

© NCERT not to be republished

ہے لیکن یہی سوال یعنی کہ کس کی سلامتی۔ جب سلامتی کے غیر روایتی تصور کے تناظر میں پوچھا جاتا ہے تو اس کا جواب صرف ریاست نہیں ہوتا، بلکہ اس میں افراد، کمیونٹی اور پورا عالم انسانیت شامل ہوتا ہے۔ سلامتی کے غیر روایتی تصور کو انسانی سلامتی یا عالم گیر سلامتی بھی کہا جاتا ہے۔

انسانی سلامتی کا تعلق ریاستوں کی حفاظت سے زیادہ عوام کی حفاظت سے ہے۔ انسانی سلامتی اور ریاستی سلامتی کو ایک ہی چیز ہونا چاہیے۔ اور ایسا ہے بھی۔ لیکن محفوظ ریاستوں کا مطلب ہمیشہ محفوظ عوام نہیں ہوتا۔ شہریوں کو باہری حملے سے بچانا انفرادی سلامتی کی لازمی شرط ہے لیکن یقیناً یہ کافی نہیں ہے۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ پچھلے سو سال میں باہر کی فوجوں سے کہیں زیادہ لوگ اپنی ہی حکومتوں کے ذریعے مارے گئے۔

انسانی سلامتی کے تمام محرّکات یہ کہتے ہیں کہ اس کا بنیادی مقصد فرد کی حفاظت ہے۔ لیکن اختلاف اس میں ہے کہ وہ کون سے خطرے ہیں جن سے بے کم و کاست ایک فرد کو بچانا ہے۔ انسانی سلامتی کے 'تنگ' نظر محرکین کا کہنا ہے توجہ افراد کے خلاف تشدد پر رکھنی چاہیے، اور جیسا کہ اقوام متحدہ کے سابق سکریٹری جنرل کوفی عنان نے کہا 'افراد اور کمیونٹی کی داخلی تشدد سے حفاظت''۔ دوسری طرف، وسیع انسانی سلامتی کے محرکین کی دلیل یہ ہے کہ خطرات کی فہرست میں بھوک، بیماری اور قدرتی تباہ کاریوں کو بھی شامل کرنا چاہیے کیونکہ ان کی بدولت مرنے والوں کی تعداد، مشترکہ طور سے نسل کشی، جنگ اور دہشت گردی سے مرنے والوں کی تعداد سے کہیں زیادہ ہے۔ لہٰذا ان کا خیال ہے کہ انسانی سلامتی پالیسی میں جس طرح تشدد سے حفاظت شامل ہے اسی طرح خطروں کو بھی مدنظر رکھنا چاہیے۔ وسیع تر انسانی سلامتی کے پروگرام میں تو معاشی تحفظ اور 'انسانی عظمت و وقار' کا دفاع بھی شامل ہیں۔ دوسرے الفاظ میں وسیع تر انسانی سلامتی پالیسی میں وہ پروگرام بھی شامل ہیں جن کو اصطلاحاً 'محرومی سے نجات' اور 'خوف سے نجات' کہا جاتا ہے۔

عالم گیر سلامتی کا تصور نوّے کی دہائی میں ابھر کر سامنے آیا جب خطروں کی نوعیت بھی عالمی ہونے لگی جیسے عالم گیری درجۂ حرارت میں اضافہ، بین الاقوامی دہشت گردی، وبائیں جیسے ایڈز (AIDS) اور برڈ فلو وغیرہ وغیرہ۔ ان مسائل کا حل کسی ایک ملک کے بس کی بات نہیں ہے۔ اور ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ کسی ماحولی تبدیلی یا بگاڑ کا سارا نقصان ایک ہی ملک کو اٹھانا پڑ جائے۔ مثال کے طور پر عالم گیری درجۂ حرارت میں اضافہ کی وجہ سے سطح سمندر میں ڈیڑھ سے دو میٹر تک کا اضافہ ہوگا۔ نتیجے کے طور پر بیس فیصد بنگلہ دیش سیلاب کی زد میں آ جائے گا، مالدیپ کا زیادہ تر حصہ زیر آب ہو جائے گا اور تھائی لینڈ کی آدھی آبادی کو سخت مشکل کا سامنا کرنا پڑے گا۔ کیونکہ ان مسائل کی نوعیت عالمی ہے۔ اس لیے بین الاقوامی باہمی تعاون بہت اہم ہے۔ اگرچہ اس تعاون کا حصول بہت مشکل کام ہے۔

خطروں کے نئے سرچشمے

سلامتی کے غیر روایتی تصور۔ خواہ وانسانی سلامتی ہو یا عالم گیر سلامتی۔ دونوں میں خطرات کی بدلتی ہوئی نوعیت پر زور دیا جاتا ہے۔ ان میں سے کچھ پر ہم ذیل میں بحث

© NCERT not to be republished

کریں گے۔

دہشت گردی دراصل وہ سیاسی تشدد ہے جس کے نشانے پر ارادتاً اور بغیر کسی امتیاز کے، شہری ہوتے ہیں۔ بین الاقوامی دہشت گردی میں ایک سے زیادہ ملک کے شہری ملوث ہوتے ہیں۔ دہشت گرد گروپ کسی ایسے نظام یا صورت حال کو جو ان کے لیے ناپسندیدہ ہو یا قابل قبول نہ ہو، طاقت یا طاقت کے استعمال کی دھمکیوں سے بدلنا چاہتا ہے، شہری ٹھکانوں کو اس لیے نشانہ بنایا جاتا ہے تاکہ عوام دہشت زدہ ہوجائیں اور ان کی ناراضگی کو حکومت کے خلاف ایک ہتھیار کی صورت میں استعمال کیا جائے۔ یا ان دوسرے گروپوں کے خلاف استعمال کیا جائے جو تنازعہ میں ملوث ہوں۔

دہشت گردی کے مستند طریقۂ کار میں ہوائی جہاز کا اغوا، ریل گاڑی، قہوہ خانے، مارکیٹ اور بھیڑ کی دوسری

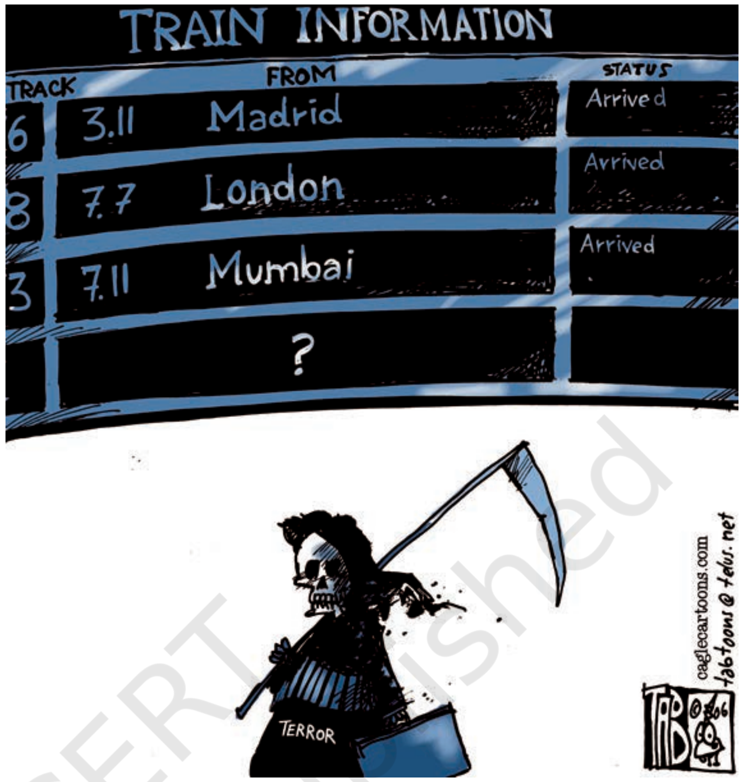

© Tab, Cagle Cartoons Inc.

ٹرین کا سفر

اس کا کوئی وجود نہیں ہے

جب ہم انسانی حقوق کی خلاف ورزی کی بات کرتے ہیں تو ہمیشہ باہر ہی کیوں دیکھتے ہیں۔ کیا اس کی مثالیں ہمارے اپنے ملک میں موجود نہیں ہیں؟

جگہوں میں بم نصب کرنا ہے۔ اور اگرچہ دہشت گردی نیا مسئلہ نہیں ہے لیکن 11 ستمبر 2001 سے، جب دہشت گردوں نے امریکا میں عالمی تجارتی مرکز پر حملہ کیا، تو عوام اور دوسری حکومتوں نے بھی اس مسئلے پر زیادہ توجہ دی۔ ماضی میں زیادہ تر دہشت گردی کے حملے مشرق وسطیٰ، یوروپ، لاطینی امریکا اور جنوبی ایشیا میں ہوتے تھے۔

انسانی حقوق کو تین قسموں میں بانٹا جاسکتا ہے۔ پہلی قسم میں سیاسی حقوق آتے ہیں، جیسے بولنے اور جمع ہونے یا جماعتیں بنانے کی آزادی۔ دوسری قسم معاشی اور سماجی حقوق سے تعلق رکھتی ہے۔ تیسری قسم میں نوآبادیوں کی رعایا، اور نسلی اور مقامی اقلیتیں ہیں۔ اس وسیع تر درجہ بندی پر ایک عام اتفاق ہے۔ لیکن اس پر اتفاق نہیں ہے کہ ان میں سے کس قسم کو عالمی انسانی حقوق کا درجہ دیا جائے اور نہ ہی اس پر اتفاق ہے کہ ان حقوق کی خلاف ورزی کے موقعہ پر بین الاقوامی کمیونٹی کو کیا قدم اٹھانا چاہیے۔

1990 کی دہائی سے کچھ ایسے واقعات ظہور میں آئے جس نے اس بحث کے لیے گنجائش پیدا کردی کہ آیا اقوام متحدہ انسانی حقوق کی پامالی کے دفاع میں مداخلت کرے یا نہ کرے۔ ان واقعات میں عراق کا کویت پر حملہ، روانڈا میں نسل کشی اور ایسٹ تیمور میں عوام کے خلاف انڈونیشیائی فوج کی بربریت شامل ہیں۔ کچھ کا خیال ہے کہ خود اقوام متحدہ کے منشور میں بین الاقوامی کمیونٹی کو انسانی حقوق کے دفاع میں مسلح اقدام کرنے کا اختیار دیا گیا ہے۔ دوسروں کا خیال ہے کہ طاقت ور ریاستوں کا قومی مفاد انسانی حقوق کی پامالی کی ان مثالوں کی نشاندہی کرے گا جہاں اقوام متحدہ کچھ کارگزاری دکھاسکتی ہے۔

عالمی ناداری عدم تحفظ کا ایک اور سرچشمہ ہے۔ اس وقت دنیا کی آبادی چھ سو پچاس کروڑ ہے جو بڑھتے بڑھتے پچیس سال کے اندر سات سو آٹھ سو کروڑ تک پہنچ جائے گی اور اسی طرح سے نو سو سے ایک ہزار کروڑ کی سطح تک چلی جائے گی۔ فی الوقت، دنیا میں آبادی کے اضافے کا آدھا حصہ صرف چھ ملکوں ہی میں ہوجاتا ہے یعنی ہندوستان، چین، پاکستان، نائجیریا

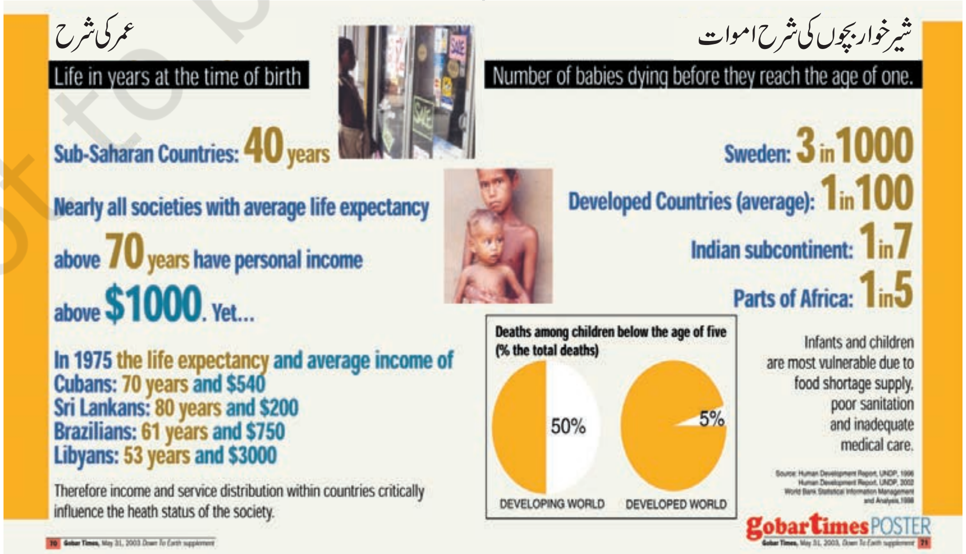

آئیے کر کے دیکھیں

افریقہ کے نقشہ پر لوگوں کی سلامتی کے خطرات سے دوچار ہونے والے علاقوں کی نشاندہی کیجیے۔

بنگلہ دیش اور انڈونیشیا۔ اگلے پچاس سالوں میں دنیا کے غریب ترین ملکوں کی آبادی میں تین گنا اضافہ ہو جائے گا۔ اس کے برخلاف دنیا کے کچھ امیر ملکوں میں اسی دوران آبادی خاصی سکڑ جائے گی۔ انفرادی آمدنی میں اضافے اور آبادی میں کمی کے باعث امیر ریاستیں یا امیر سماجی گروپ مزید دولت مند بن جاتے ہیں۔ اس کے برعکس کم آمدنی اور آبادی میں تیزی سے اضافہ، دونوں عناصر، غریب ریاستوں اور غریب سماجی گروپوں کو اور زیادہ غریب بنانے میں ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں۔

عالمی سطح پر یہ عدم مساوات دنیا کے شمالی اور جنوبی ملکوں کے درمیان خلیج کو بڑھاتی ہے۔ خود جنوبی ملکوں کے درمیان آپس میں بھی غیر برابری اور فرق ابھر آیا ہے کیونکہ کچھ ملکوں نے اپنی آبادی کے اضافے پر کنٹرول کر لیا ہے اور باقی اس دوڑ میں پیچھے رہ گئے ہیں۔ مثال کے طور پر اس وقت دنیا میں سب سے زیادہ مسلح تنازعات افریقہ میں صحرائے اعظم کے جنوب (Sub Saharan Region) میں ہو رہے ہیں جو کہ دنیا کا غریب ترین علاقہ بھی ہے۔ اکیسویں صدی کے آتے آتے اس علاقے کی جنگوں میں مرنے والوں کی تعداد، بقیہ دنیا میں اس وقت کے ہو رہے جھگڑوں اور لڑائیوں میں مرنے والوں کی مجموعی تعداد سے زیادہ تھی۔

غربت کی وجہ سے جنوب میں **ترکِ وطن اور ہجرت** کی حوصلہ افزائی ہوئی اور بڑے پیمانے پر لوگوں نے بہتر معاشی مواقع کی تلاش میں شمال کی جانب ہجرت کی۔ اس نے بین الاقوامی سیاسی کشمکش اور کشیدگی بھی پیدا کی۔ بین الاقوامی قوانین اور ضوابط تارکین وطن اور پناہ گزینوں کے درمیان ایک امتیاز قائم کرتے ہیں۔ تارکین وطن وہ لوگ ہیں جو اپنی خوشی اور سہولت کے مطابق اپنا وطن چھوڑتے ہیں اور پناہ گزیں وہ لوگ ہیں جو اپنے وطن کو جنگ، قدرتی تباہ کاری یا سیاسی جبر کی وجہ سے چھوڑتے ہیں۔ عام طور سے یہ توقع کی جاتی ہے کہ ریاستیں پناہ گزینوں کو قبول کریں گی لیکن ان پر تارکین وطن کو قبول کرنے کی کوئی ذمے داری نہیں ہے۔ پناہ گزین تو اپنا وطن چھوڑ دیتے ہیں لیکن کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو پنا گھر بار مجبوراً چھوڑتے ہیں لیکن اپنی قومی سرحدوں ہی میں رہتے ہیں۔ ان کو 'داخلی طور سے اجڑے ہوئے لوگ' کہیں گے۔ وہ کشمیری پنڈت جنھیں نوّے کی ابتدائی دہائی میں تشدد کی وجہ سے وادی کشمیر کو چھوڑنا پڑا تھا اس 'داخلی طور سے اجڑے ہوئے' کی مثال ہیں۔

دنیا کے پناہ گزینوں کا نقشہ اور دنیا کے مسلح

وسیع پناہ گزین آبادیوں کا ظہور۔ یکم جنوری 2006 (دس بڑے گروپ)

ماخذ	پناہ دینے والے خاص خاص ملک	میزان
افغانستان	پاکستان، ایران، جرمنی، نیدر لینڈ اور برطانیہ	1,908,100
سوڈان	چاڈ، یوگنڈا، کینیا، ایتھوپیا، وسطی افریقہ، عوامی جمہوریہ	639,300
برونڈی	تنزانیہ، ڈی آر کانگو، روانڈا، جنوبی افریقہ، زیمبیا	438,700
ڈی آر کانگو	تنزانیہ، زیمبیا، کانگو، روانڈا، یوگنڈا	430,600
صومالیہ	کینیا، یمن، برطانیہ، یونائیٹڈ اسٹیٹس ایتھوپیا	394,800
ویت نام	چین، جرمنی، یونائیٹڈ اسٹیٹس، فرانس، سوئزرلینڈ	358,200
فلسطین	سعودی عربیہ، مصر، عراق، لیبیا، الجیریا	349,700
عراق	ایران، جرمنی، نیدر لینڈ، شام، برطانیہ	262,100
آذر بائیجان	آرمینیا، جرمنی، اونائیٹڈ اسٹیٹس، نیدر لینڈ، فرانس	233,700
لائبیریا	سیوالیون، گنی، آئیوری کوسٹ، گھانا، یونائیٹڈ اسٹیٹس	231,100

[1] This table includes UNHCR estimates for nationalities in industrialized countries on the basis of recent refugee arrivals and asylum-seeker recognition.

[2] UNHCR figures for Pakistan only include Afghans living in camps who are assisted by UNHCR. A 2005 government census of Afghans in Pakistan, and subsequent repatriation movements, suggest an additional 1.5 million Afghans –some of whom may be refugees– are living outside camps. The figure for Iran has been revised upwards since 1 January.

[3] This figure does not include some 4.3 million Palestinian refugees who come under the separate mandate of the UN Relief and Works Agency for Palestine Refugees in the Near East (UNRWA).

TABLE 5

بشکریہ: www. unhcr. org.

© NCERT not to be republished

تنازعات کا نقشہ باہم ایک دوسرے سے بالکل ملتے جلتے ہیں کیونکہ جنوب میں واقع ہونے والی جنگوں اور مسلح تنازعات نے لاکھوں لوگوں کو 'محفوظ جنتوں کی (Safe heavens) تلاش میں گھر بار چھوڑنے پر مجبور کردیا۔ 1990 سے 1995 تک ستّر ریاستیں 93 جنگوں میں ملوث تھیں جن میں تقریباً 55 لاکھ لوگ مارے گئے۔ اس طرح سے بودوباش کے ماحول، شناخت اور روزگار کی تباہی یا تشدد کے پھیلتے ہوئے خوف کی وجہ سے افراد، خاندان اور کبھی کبھی پوری کمیونٹی یا بستی کو مجبوراً اپنا وطن چھوڑنا پڑا۔ پناہ گزینوں کی ہجرت اور جنگوں میں اگر موازنہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ 90 کی دہائی میں تین کے علاوہ پناہ گزینوں کی سبھی 60 دھارائیں، مسلح اندرونی خلفشار یا خانہ جنگی کے ساتھ ساتھ ہی ہوئی ہیں۔

فوجی کارروائیوں، تجارت، سیاحت اور ہجرت کی وجہ سے خطرناک بیماریاں اور وبائیں جیسے ایڈس (HIV-AIDS) برڈ فلو، سانس کی گھٹن (SARS) ایک ملک سے دوسرے ملک میں تیزی کے ساتھ پھیل گئی ہیں۔ ان بیماریوں پر قابو پانے میں ایک ملک کی ناکامی دوسرے ملک میں اس کے جراثیم پھیلنے پر اثر انداز ہوتی ہے۔

ایک اندازے کے مطابق 2003 میں دنیا بھر میں چار کروڑ لوگ HIV-AIDS کے شکار تھے۔ ان میں سے دوتہائی افریقہ میں تھے اور بقیہ کے آدھے جنوبی ایشیا میں تھے۔ 90 کی دہائی کے آخر میں نئی دواؤں کے ذریعے علاج نے شمالی امریکا اور دوسرے صنعتی ممالک میں HIV-AIDS سے مرنے والوں کی تعداد میں حیرت انگیز طور سے کمی آئی۔ لیکن یہ علاج اتنے مہنگے تھے کہ افریقہ جیسے غریب علاقوں کے لیے فائدے مند نہیں ثابت ہو سکتے تھے جب کہ یہ مانی ہوئی بات ہے کہ اس علاقے کو اور زیادہ غریبی کے گڑھے میں دھکیلنے میں اس بیماری کا بہت بڑا ہاتھ ہے۔

کیشو: دی ہندو
اس کارٹون میں جو مسائل دکھائے گئے ہیں ان سے دنیا کیسے نمٹ سکتی ہے؟

اس کے علاوہ ایبولا وائرس (ebola virus) ہنٹاوائرس (huntavirus) اور ہیپٹائٹس سی (hepatitis C) جیسی نئی اور کم سمجھ میں آنے والی بیماریاں ہیں۔ جب کہ پرانی بیماری جیسے تپ دق، ملیریا، ڈینگو بخار اور ہیضہ وغیرہ دواؤں کی مزاحمت کرنے والی بیماریوں میں تبدیل ہو چکے ہیں اور ان کا علاج مشکل ہے۔ جانوروں میں جو وبائیں پھیلتی ہیں ان کے بھی مضر اثرات معیشت پر پڑتے ہیں۔ 90 کی دہائی کے آخر سے اب تک 'دیوانی۔گائے' کی بیماری کی وجہ سے برطانیہ نے کروڑوں ڈالر کی آمدنی سے ہاتھ دھوئے ہیں اور برڈ فلو کی وجہ سے اکثر ایشیائی ممالک کے مرغی خانوں

© NCERT not to be republished

اندھی دنیا

کی برآمدات بند ہوگئیں۔ اس قسم کی بیماریاں ریاستوں کے ایک دوسرے پر بڑھتے ہوئے انحصار کی ضرورت کو ظاہر کرتی ہیں، ساتھ ہی ساتھ سرحدوں کی غیر معنویت اور بین الاقوامی تعاون کی اہمیت کو بھی ظاہر کرتی ہیں۔

سلامتی کے تصور کو وسعت دینے کے یہ معنی نہیں ہیں کہ ہم ہر بیماری اور تکلیف کو تحفظ وسلامتی کا مسئلہ بنالیں۔ اگر ہم ایسا کریں گے تو سلامتی کا تصور اپنی وضاحت کھو بیٹھے گا اور ہر چھوٹی بڑی بات سلامتی کا مسئلہ بن جائے گی۔ لہٰذا سلامتی کا مسئلہ بننے کے لیے کم سے کم ایک مشترکہ معیار ہونا چاہیے یعنی یہ کہ وہ مسئلہ کسی فرقہ، ریاست یا گروہ کے وجود کو خطرہ بن جائے۔ اگرچہ اس خطرے کی شکل الگ الگ ہوسکتی ہے۔ مثال کے طور پر مالدیپ کے وجود کو عالم گیری درجۂ حرارت میں اضافہ سب سے بڑا خطرہ ہے کیونکہ اس کی وجہ سے سطح سمندر اور اونچی ہوجائے گی اور مالدیپ کا ایک بڑا حصہ زیرِ آب ہوجائے گا۔ جب کہ جنوبی افریقہ کے ممالک کے وجود کے لیے HIV-AIDS سب سے بڑا خطرہ ہے جہاں ہر چھٹا بالغ مرد یا عورت AIDS کا شکار ہے۔ Botswana میں حالت سب سے بدتر ہے یہاں ہر تیسرا آدمی اس بیماری سے متاثر ہے۔ 1994 میں روانڈا کے ٹٹسی قبیلہ کو بھی اپنے وجود کی سلامتی کا خطرہ تھا۔ جب کہ صرف چند ہفتوں میں حریف قبیلے 'ہوتو' نے اس کے تقریباً پانچ لاکھ افراد کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سلامتی کے روایتی تصور کی طرح، غیر روایتی تصور بھی زمان ومکان کے اعتبار سے بدلتا رہتا ہے۔

باہمی تعاون کی سلامتی

ہم بخوبی دیکھ سکتے ہیں کہ سلامتی کے ان غیر روایتی خطروں سے مقابلے کے لیے آپس میں تعاون اور میل جول کی ضرورت ہے نہ کہ فوجی مڈبھیڑ کی۔ دہشت گردی وغیرہ سے نمٹنے کے لیے فوج کی ضرورت اپنی جگہ مسلم ہے یا انسانی حقوق کی برقراری میں (لیکن یہاں بھی فوج کی کامیابی محدود ہی رہے گی)۔ یہ دیکھنا بہرحال مشکل کام ہے کہ غریبی ہٹانے میں، تارکین وطن اور پناہ گزینوں کے کُوچ اور قیام میں یا وباؤں کو قابو کرنے میں فوج کہاں تک مددگار ثابت ہوسکتی ہے۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ فوجی طاقت کا استعمال بہت سی جگہ حالات کو اور بدتر بنا دے گا۔

سب سے بہتر یہ ہوگا کہ ایسی پالیسیاں اختیار کی جائیں جن کو بین الاقوامی تعاون حاصل ہو۔ یہ تعاون صرف دو ملکوں کے درمیان بھی ہوسکتا ہے اور اس کی نوعیت عالم گیر اور علاقائی بھی ہوسکتی ہے۔ ان سب کا انحصار متاثرہ ملکوں کے خطرے سے نمٹنے کے ارادے اور صلاحیت پر ہے۔ میل جول کی سلامتی میں کچھ دوسرے قومی اور بین الاقوامی عناصر بھی مدد کرسکتے ہیں۔ مثال کے طور پر بین الاقوامی تنظیموں میں اقوام متحدہ، عالمی تنظیم صحت، عالمی بینک اور بین الاقوامی مالیاتی فنڈ وغیرہ وغیرہ۔ اسی سطح پر غیر سرکاری تنظیمیں جیسے ایمنسٹی انٹرنیشنل، ریڈ کراس (Red Cross)، خیرات اور امدادی کاموں کی پرائیویٹ تنظیمیں، چرچ اور مذہبی تنظیمیں، ٹریڈ یونین اور

مجھے بہت خوشی ہوتی ہے جب میں سنتا ہوں کہ میرے ملک کے پاس نیوکلیائی ہتھیار ہیں۔ مگر میری سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ یہ مجھے یا میرے خاندان کو مزید محفوظ کیسے بنا سکتے ہیں۔

© NCERT not to be republished

جماعتیں، سماجی اور ترقیاتی تنظیمیں بھی مددگار ہوسکتی ہیں، اس کے علاوہ بڑے بڑے تجارتی گھرانے اور ادارے بھی۔ عظیم شخصیتیں جیسے کہ نیلسن منڈیلا اور مدر ٹریسا جیسے لوگ بھی اپنا اپنا کردار ادا کر سکتے ہیں۔

میل جول کی سلامتی میں طاقت کا استعمال صرف آخری حربے کے طور پر ہی کیا جاسکتا ہے۔ بین الاقوامی برادری ان حکومتوں کے خلاف فوجی کارروائی کرنے کی اجازت دے گی جو اپنے ہی شہریوں کو قتل کرنے میں مصروف ہوں یا اپنے عوام کی زبوں حالی کو یکسر نظر انداز کر رہی ہوں جو غریبی، بیماری اور دوسرے مصائب میں مبتلا ہوں۔ بین الاقوامی برادری کو بین الاقوامی دہشت گردوں اور ان کو پناہ دینے والوں کے خلاف طاقت کے استعمال کے لیے اتفاق کرنا ہوگا۔ سلامتی کے غیر روایتی تصور کی برتری طاقت کے استعمال کے وقت ظاہر ہوتی ہے جب کہ بین الاقوامی برادری کی منظوری کے بعد یہ طاقت اجتماعی طور سے استعمال کی جاتی ہے۔ بجائے اس کے کہ ایک اکیلا ملک اپنے بل بوتے پر فوجی کارروائی کرے۔

ہندوستان کی سلامتی حکمت عملی

ہندوستان روایتی (فوجی) اور غیر روایتی دونوں ہی طرح کی سلامتی کے خطرات کا مقابلہ کر چکا ہے جو کہ بیرونی بھی تھے اور اندرونی بھی۔ ہندوستان کی سلامتی حکمت عملی کے چار ترکیبی عناصر ہیں جو مختلف اوقات میں بدلتے ہوئے جوڑوں کے ساتھ استعمال ہوئے ہیں۔

سب سے پہلا عنصر فوجی صلاحیتوں کا استحکام اور مضبوطی ہے۔ کیوں کہ ہندوستان اپنے پڑوسیوں سے جنگ میں الجھ چکا ہے۔ پاکستان کے ساتھ 48-1947، 1971 اور 1999 میں، اور چین کے ساتھ 1962 میں۔ چوں کہ جنوبی ایشیا میں ہندوستان چاروں طرف سے نیوکلیائی طور سے مسلح ممالک سے گھرا ہوا ہے، ہندوستانی حکومت نے اسی بنیاد پر 1998 میں اپنے نیوکلیائی تجربے کو، جو قومی سلامتی کی خاطر کیا گیا تھا، صحیح اور جائز ٹھہرایا۔ ہندوستان نے سب سے پہلا نیوکلیائی تجربہ 1974 میں کیا تھا۔

ہندوستان کی سلامتی کی حکمت عملی کا دوسرا ترکیبی عنصر ان بین الاقوامی اصول وضوابط اور اداروں کو استحکام بخشنا ہے جو اس کی سلامتی کے مفاد کے لیے مددگار ہوں۔ ہندوستان کے پہلے وزیر اعظم جواہر لعل نہرو نے ایشیائی اتحاد کے نصب العین، نوآبادیاتی نظام کے خاتمے، تخفیف اسلحہ کے ساتھ ساتھ اقوام متحدہ کو ایک ایسا پلیٹ فارم بنانے کی حمایت کی جہاں سارے بین الاقوامی جھگڑے سلجھ سکیں۔ ہندوستان نے ایک غیر توسیع پسند اور غیر امتیازی عالمی حکومت کی جانب پیش رفت بھی کی جس میں تمام ممالک کو بڑے پیمانے کی تباہ کاری والے ہتھیار (Weapons of Mass Destruction) کے متعلق یکساں حقوق و فرائض حاصل ہوں گے۔ اس نے ایک مساویانہ جدید بین الاقوامی معاشی نظام (NIEO) کے حق میں رائے دی۔ لیکن سب سے اہم بات یہ ہے کہ ہندوستان نے ناوابستہ تحریک کے ذریعے دو عظیم طاقتوں کی سیاسی چپقلش سے الگ امن کا علاقہ نکالا۔ ہندوستان ان 160 ملکوں میں سے ایک ہے جنھوں نے 1997 میں کیوٹو میثاق (Kyoto Protocol) پر دستخط کیے اور اس کی

آئیے، غور کریں

روایتی سلامتی اور غیر روایتی سلامتی پر ہندوستانی حکومت کے اخراجات کا موازنہ کیجیے۔

توثیق کی جو ایک ایسے راستے کی نشاندہی کرتا ہے جو گرین ہاؤس سے نکلنے والی گیس میں کمی واقع کرتا ہے اور نتیجتاً عالمی درجۂ حرارت میں اضافے پر روک لگاتا ہے۔ باہمی سلامتی کے اقدامات کے سلسلے میں اقوام متحدہ کے قیام امن کے مشن کے تحت ہندوستانی افواج کو باہر بھی بھیجا گیا ہے۔

ہندوستان کی سلامتی حکمت عملی کے تیسرے ترکیبی عنصر کا رخ اندرونی خطرات سے ہے جو ملک کے اندر موجود ہیں۔ ناگالینڈ، میزورم، پنجاب، کشمیر اور کچھ دوسرے علاقوں میں ایسے جنگجو گروپ موجود ہیں جو وقتاً فوقتاً ہندوستان سے علاحدگی اختیار کرنے کے لیے سر ابھارتے رہتے ہیں۔ ہندوستان نے قومی یکجہتی اور اتحاد کو قائم رکھنے کے لیے ایک جمہوری سیاسی نظام کو اپنایا ہے جہاں مختلف فرقوں اور لوگوں کے گروہوں کو اپنی رائے اور شکایتوں کے اظہار، اور ساتھ ہی سیاسی طاقت میں شامل ہونے کا اختیار ہے۔

ہندوستان میں شروع سے یہ کوشش کی گئی ہے کہ معیشت کو اس ڈھنگ سے فروغ دیا جائے کہ عوام اور شہریوں کا بڑا حصہ غربت اور افلاس کے درجے سے اوپر اٹھ سکے اور معاشی عدم مساوات کی بڑی بڑی خلیجیں پاٹی جاسکیں۔ اس کوشش کو زیادہ کامیابی نصیب نہیں ہوئی ہے اس لیے اب بھی ہندوستان ایک بہت غریب ملک ہے جہاں غیر برابری موجود ہے۔ لیکن اس کے باوجود جمہوری سیاست میں یہ گنجائش موجود ہے کہ غریب اور محروم شہریوں کی آواز سنی جاسکے۔ جمہوری عمل کے ذریعے منتخب حکومتوں پر دباؤ ہے کہ انھیں معاشی ترقی کو انسانی فروغ سے ہم آہنگ کرنا چاہیے۔ لہٰذا جمہوریت محض ایک سیاسی نظریہ ہی نہیں ہے بلکہ جمہوری حکومت بہتر سلامتی اور تحفظ کا ذریعہ بھی ہے۔ ہندوستانی جمہوریت کی کامیابیوں اور ناکامیوں کے بارے میں آپ اپنی ہندوستانی سیاسیات پر کسی درسی کتاب 'آزادی کے بعد ہندوستانی سیاست' میں مزید پڑھیں گے۔

آئیے، مل جُل کر کریں

اقدام

- نیچے دی گئی چار گاؤں کی ایک خیالی کہانی ہے جو ایک ہی دریا کے کنارے بستے تھے۔ اس کو بیان کیجیے:
- ''کوٹا باغ، گیوالی، کنڈالی اور گوپا، چار گاؤں ہیں جو ایک دوسرے سے ملے ملے ایک ہی دریا کے کنارے بستے ہیں۔ کوٹا باغ کے رہنے والے دریا کے کنارے بسنے والوں میں سب سے پہلے تھے۔ وہ اس علاقے میں موجود وسیع اور بے پناہ قدرتی وسائل پر بلا روک ٹوک رسائی رکھتے تھے۔ رفتہ رفتہ، پانی اور قدرتی وسائل کی موجودگی کی وجہ سے اور علاقوں سے بھی لوگ یہاں آکر بسنے لگے۔ اب یہاں چار گاؤں ہیں۔ وقت کے ساتھ ان گاؤں کی آبادی بڑھ گئی۔ لیکن قدرتی وسائل میں اضافہ نہیں ہوا۔ ہر گاؤں قدرتی وسائل پر اپنا دعویٰ کرنے لگا اور ساتھ میں گاؤں کی سرحدوں پر بھی۔ کوٹا باغ کے رہنے والوں نے قدرتی وسائل کے بڑے حصے پر اپنا دعویٰ کیا کیونکہ وہ یہاں بسنے والوں میں پہلے تھے۔ گیوالی اور کنڈالی اپنی بڑی آبادی کی وجہ سے وسائل کے

© NCERT not to be republished

بڑے حصے پر اپنا حق جتاتے تھے۔ گو پا کے لوگوں کا خیال تھا کہ اگر چہ ان کی آبادی زیادہ نہیں ہے لیکن وہ ایک آرام دہ زندگی کے عادی ہیں۔ لہٰذا وسائل پر ان کا حق اور حصہ زیادہ ہونا چاہیے۔ یہ چاروں ایک دوسرے کے مطالبات سے راضی نہیں ہوئے اور وسائل کے استعمال میں من مانی کرتے رہے۔ اس کی وجہ سے گاؤں والوں میں اکثر جھڑپیں بھی ہونے لگیں۔ آخر کار لوگ اس صورت حال سے تنگ آ گئے اور ذہنی سکون کھو بیٹھے۔ اب ان کی آرزو ہے کہ وہ جیسے پہلے رہتے تھے ویسے رہیں۔ لیکن انھیں معلوم نہیں کہ وہ اس ''سنہرے زمانے' کی طرف کیسے واپس جائیں گے''۔

- ▣ ہر گاؤں کی خصوصیات کے بارے میں نوٹ بنائیے۔ ان خصوصیات کو آج کل کی ریاستوں کی نوعیت کے مطابق لکھیے۔
- ▣ کلاس کو چار حصوں میں تقسیم کیجیے۔ ہر گروپ ایک گاؤں کی نمائندگی کرے گا۔ گاؤں سے متعلق نوٹس متعلقہ گروپ کو دے دیجیے۔
- ▣ سنہری زمانہ میں واپس کس طرح جایا جا سکتا ہے کے موضوع پر گروپ ڈسکشن کے لیے استاد پندرہ منٹ کا وقت دے۔

ہر گروپ اپنی حکمت عملی کو فروغ دے گا۔ ہر گروپ آپس میں بیس منٹ تک کھل کر ڈسکشن کرے گا تا کہ کسی نتیجہ پر پہنچا جائے۔ ہر گروپ اپنے دلائل اور جوابی دلائل پیش کرے گا۔ نتیجہ دو صورتوں میں ظاہر ہونا چاہیے۔ اوّل تو ایک دوستانہ معاہدہ جس میں ہر فریق کے مطالبات مان لیے جائیں اور ایسا شاذ ہی ہوتا ہے۔ دوسرا یہ کہ پھر مکمل مباحثہ جو کسی سمجھوتے پر آئے بغیر ختم ہو جائے۔

استاد کے لیے ہدایات:

- ☐ گاؤں کو ریاستوں سے تشبیہہ دیں اور اس کے مسائل کو سلامتی کے مسئلے سے جوڑیں (جیسے جغرافیائی سالمیت کو خطرہ، قدرتی وسائل تک رسائی، بغاوت وغیرہ وغیرہ)
- ☐ گفت وشنید کے درمیان جو چیزیں نوٹس کی ہوں ان کے متعلق بولیں اور سمجھائیں کہ ایسے مسائل کو سلجھاتے وقت قومیں بھی کس ردّعمل کا اظہار کرتی ہیں۔
- ☐ یہ بحث ومباحثہ یا سرگرمی آخر میں قوموں کے درمیان اور ان کے اندر موجودہ سلامتی کے مسائل کے حوالے سے ختم کیا جا سکتا ہے۔

مشقیں

1- اصطلاحات کو ان کے معنی سے ملائیے:

i- اعتماد سازی کے اقدامات (CBMs)

ii- اسلحہ پر قابو

iii- اتحاد

iv- تخفیف اسلحہ

a- مخصوص قسم کے ہتھیاروں کو ترک کر دینا۔

b- قوموں کے درمیان مستقل طور پر دفاعی معاملات میں اطلاعات کے لین دین کا عمل۔

c- چند قوموں کا مجموعہ جن کا مقصد فوجی حملے کے وقت ایک دوسرے سے مزاحمت ومدافعت۔

d- ہتھیاروں کی دستیابی اور فروغ پر پابندی لگانا۔

2- مندرجہ ذیل میں آپ کس کو روایتی سلامتی یا غیر روایتی سلامتی سے متعلق خیال کرتے ہیں لیکن خطرہ نہیں۔

a- ڈینگو بخار یا چکن گنیا کا پھیلنا۔

© NCERT not to be republished

b- پڑوسی ملک سے کام ڈھونڈنے والوں کا بڑی تعداد میں ملک میں آنا۔

c- علاقے کو الگ ملک کا مطالبہ کرنے والے کسی گروپ کا ظہور۔

d- علاقائی خودمختاری کا مطالبہ کرنے والے کسی گروپ کا ظہور۔

e- ایک ایسا اخبار جو ملکی فوج کا نکتہ چیں ہو۔

3- روایتی اور غیر روایتی سلامتی میں کیا فرق ہے؟ اتحادوں کا بننا اور قائم رہنا کس قسم سے تعلق رکھتا ہے؟

4- پہلی دنیا اور تیسری دنیا کے عوام جن خطروں کا سامنا کر رہے ہیں ان میں کیا فرق ہیں؟

5- دہشت گردی سلامتی کے لیے ایک روایتی خطرہ ہے یا غیر روایتی؟

6- سلامتی کے روایتی تصور کے تناظر میں جب ایک ریاست کی سلامتی خطرے میں ہو تو اس کے سامنے کون سے راستے کھلے رہ جاتے ہیں۔

7- 'توازنِ قوت' کیا ہے اور ایک ریاست اس کو کس طرح حاصل کر سکتی ہے؟

8- فوجی اتحادوں کے کیا مقاصد ہوتے ہیں؟ کسی ایک برسرِکار اتحاد کی اس کے مخصوص مقاصد کے ساتھ مثال دیجیے۔

9- تیز رفتار ماحولیاتی گراوٹ سلامتی کے لیے ایک بڑا خطرہ بنتی جا رہی ہے۔ کیا آپ اس بیان سے اتفاق کرتے ہیں؟ اپنے دلائل کو ٹھوس انداز میں بیان کیجیے۔

10- نیوکلیائی ہتھیار، خواہ وہ مزاحمتی طریقۂ کار کے لیے ہوں یا دفاعی طریقۂ کار کے لیے، ریاستوں کو لاحق عصری خطرات کے پیش نظر ان کا استعمال بہت محدود ہو گیا ہے۔ اس بیان کی تشریح کیجیے۔

11- سلامتی کے روایتی یا غیر روایتی تصور میں سے ہندوستانی تناظر میں کس کو ترجیح دی گئی ہے؟ اپنے بیان کی موافقت میں آپ کیا دلائل پیش کر سکتے ہیں؟

12- نیچے دیے ہوئے کارٹون کا مطالعہ کیجیے۔ جنگ اور دہشت گردی کے آپسی رابطہ جس کو اس کارٹون میں اجاگر کیا ہے، کی موافقت یا مخالفت میں مختصر نوٹ تحریر کیجیے۔

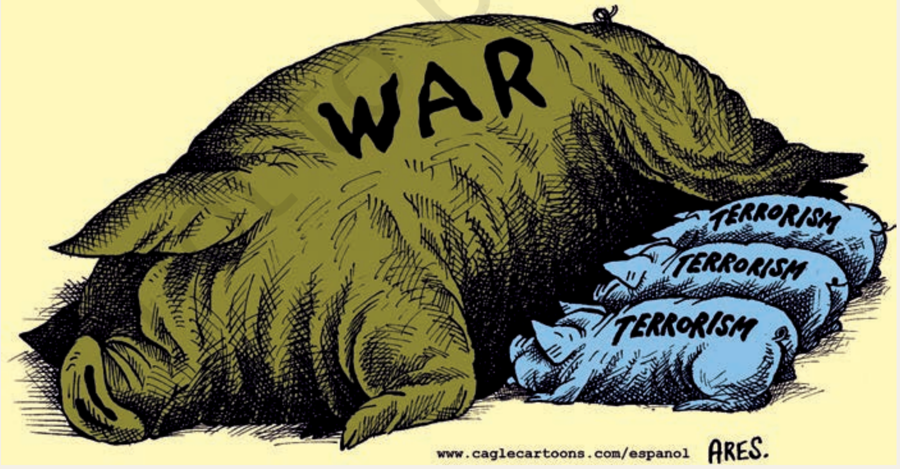

مشقیں

© NCERT not to be republished